بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

روزہ اور اجتماعی رویے

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

قرآن کریم نے انتہائی مختصر اور جامع انداز میں رمضان کے روزوں کا بنیادی مقصد صرف ایک ترکیب میں بیان کر دیا ہے یعنی 'حصولِ تقویٰ'۔ اس کے ساتھ ہی جو ترکیب استعمال کی گئی ہے، وہ اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ روزوں کے اہتمام کے بعد بھی تقویٰ کا حصول متوقع تو ہے لازمی نہیں ہے۔ یعنی جب تک تقویٰ کے حاصل کرنے میں خلوصِ نیت، رضائے الٰہی اور ہر اس کام سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش نہیں ہوگی جو رب کریم کو ناپسند ہے، روزوں اور تمام رات کی نماز کے باوجود روزہ کا مقصد حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اسی لیے فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝۱۸۳ (البقرہ ۲:۱۸۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاؑ کے پیروکاروں (اُمتوں) پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

تقویٰ کا مادہ 'وقایہ' ہے جس کا مفہوم لغت میں اپنے آپ کو روکے رکھنے، بچانے اور بعض چیزوں سے احتیاط کرنے کا ہے۔ ہم عام طور پر تقویٰ کو اس طرح لیتے ہیں کہ محض چند کاموں سے بچنا چاہیے۔ یہ اگرچہ اپنی جگہ درست ہے لیکن اگر تقویٰ کے مفہوم کو خود قرآن کریم میں تلاش کیا جائے تو سورۂ بقرہ ہی میں اس کی تعریف مل جاتی ہے جو تقویٰ اور صدق کو کم از کم ۱۴ متعین اعمال سے وابستہ کرتی ہے اور ان میں محدود نہیں کر دیتی:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ (البقرہ ۲:۱۷۷)

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں، اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

یہ آیت البر تقویٰ کی جامع تعریف یہ بیان کرتی ہے کہ جب ایک صاحبِ ایمان مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بزرگ، ان چودہ اعمال کو اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ایمانِ صادق اور تقویٰ پر عامل ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ آیت میں ترتیب سے حسب ذیل چودہ اعمالِ تقویٰ بیان کیے گئے ہیں:

۱- توحید یعنی ایمان باللہ ۲- آخرت پر ایمان ۳- ملائکہ پر ایمان ۴- نازل کردہ کتابوں پر ایمان ۵- انبیاؑ پر ایمان ۶- اپنا پسندیدہ مال اقربا پر خرچ کرنا ۷- یتامٰی پر خرچ کرنا ۸- مساکین کی خبرگیری ۹- مسافروں کی امداد ۱۰- ہاتھ پھیلانے والوں کی ضرورت پوری کرنا ۱۱- غلاموں کی رہائی پر خرچ کرنا ۱۲- زکوٰۃ ادا کرنے پر خرچ ۱۳- اپنے وعدوں کو پورا کرنا ۱۴- تنگی اور مصیبت میں اور حق و باطل کے معرکہ میں استقامت اور تحمل اختیار کرنا۔

گویا رمضان کے روزے جس تقویٰ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ محض بعض اعمال و افعال یعنی چیزوں سے بچنا اور احتیاط کرنا نہیں ہے بلکہ یہ چودہ اعمال و افعال وہ ہیں جن کو یہ آیتِ مبارکہ تقویٰ اور صدق قرار دیتی ہے۔ اس میں غورطلب پہلو یہ ہے کہ ان چودہ مثبت کاموں میں صرف دو وہ ہیں جن کا ہم پوری توجہ سے رمضان میں اہتمام کرتے ہیں، یعنی نماز اور زکوٰۃ۔

جن چیزوں سے بچنے کا تصور رمضان اور تقویٰ کے الفاظ سنتے ہی ہمارے ذہن میں آتا ہے، یہ ممنوع اعمال بہت معروف ہیں۔ قرآن نے انھیں جگہ جگہ بیان کر دیا ہے، یعنی قتل ناحق، چوری، زنا، جھوٹ، شرک اور دیگر منکرات وفواحش، جب کہ تقویٰ محض ان سے بچنے سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔

جس طرح آیت البرتقویٰ کے مثبت پہلو کو واضح کرتی ہے، ایسے ہی سورۃ الحجرات ان اجتماعی برائیوں کی وضاحت کر دیتی ہے، جن سے عموماً رمضان کے دوران بھی شعوری طور پر بچنے کی کوشش نہیں کی جاتی:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اُس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ نبیؐ کے ساتھ اُونچی آواز سے بات کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسولِؐ خدا کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں، وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، اور اُن کے لیے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم۔

اے نبیؐ، جو لوگ تمھیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ وہ تمھارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو انھی کے لیے بہتر تھا، اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔ خوب جان رکھو کہ تمھارے درمیان اللہ کا رسولؐ موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمھاری بات مان لیا کرے تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ۔ مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمھارے لیے دل پسند بنا دیا، اور کفر وفسق اور

نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راست رَو ہیں اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

اور اگر اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر اِن میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گھِن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (الحجرات ۴۹:۱-۱۳)

سورۃ الحجرات کی درج بالا آیات میں ایسے کام گنوائے گئے ہیں، جو حیاتِ اجتماعی کی صحت کے لیے اہمیت رکھتے ہیں:

۱-اللہ اور رسولؐ کے واضح احکام کی روشنی میں اپنی رائے اور فکر کے مطابق فیصلہ نہ کرنا ۲-اپنی آواز کو رسولؐ اللہ کی آواز سے بلند نہ کرنا ۳-غیر مصدقہ اطلاعات اور خبروں کو بلاتحقیق نہ پھیلانا ۴-اہل ایمان کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ کو دُور کرنے کی کوشش کرنا ۵-اگر دو گروہ جنگ پر آمادہ ہوجائیں تو صلح کی کوشش کرنا اور بھائیوں کے درمیان تعلقات کی اصلاح کرنا ۶-لوگوں کا مذاق نہ اڑانا ۷-ایک دوسرے پر طعن نہ کرنا ۸-ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد نہ کرنا ۹-ظن اور گمان کی بنیاد پر بدگمانی میں مبتلا نہ ہونا ۱۰-تجسس نہ کرنا ۱۱-غیبت نہ کرنا ۱۲-اپنے قبیلے، برادری، ذات پر فخر نہ کرنا ۱۳-تقویٰ کی روش اختیار کرنا۔

یہاں جو اہم پہلو غور طلب ہے وہ یہ کہ رمضان کے دوران سورۃ الحجرات کے احکامات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ان اجتماعی برائیوں اور خرابیوں سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے؟ کیا ہم اس ماہ میں ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے، دلوں سے نفرتیں دُور کرنے، غیر مصدقہ سوشل میڈیا کے استعمال اور منفی فکر کی جگہ معاشرے کے مظلوم طبقات کی عملی امداد، نوجوانوں میں تیزی سے پھیلنے والی خرابیوں اور نشہ آور ادویات کے استعمال کے خلاف شعور بیدار کرنے کی منظم کوششیں کرتے ہیں؟

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (الحجرات ۴۹:۱۰) بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔ تم اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ۔

تقویٰ کے مثبت تصور کو سمجھنا اور اسے اپنے طرزِ عمل کے ذریعے معاشرے میں متعارف کروانے کا نام ہی دعوت واصلاح ہے۔ انبیائے کرامؑ نے زبانی جمع خرچ کی جگہ اپنے دور میں مظلوم طبقات کے حقوق کے حصول کے لیے کوشش کی اور وہ جو کل تک غلام تھے، اُمت کے قائد بن گئے۔

تحریک اسلامی کے کارکنوں کا طرزِ عمل کیا ہو؟ اس پر قرآن بہت واضح ہدایات دیتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۱۳۵ (النساء ۴:۱۳۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا

تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

گویا اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہو تو اختلاف کو ایک طرف رکھ کر اس کے حق کا تحفظ کرنا تقویٰ اور حق کا مطالبہ ہے۔ دین ہمیں ہر صورت حال میں چاہے وہ سیاسی ہو، معاشی ہو، دفاعی ہو یا معاشرتی اور ثقافتی ہو، مقاصد شریعہ کی روشنی میں واضح راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ شریعت کا اصول ہے کہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے، کسی کی شہرت کو خراب نہ کیا جائے، اختلافات کو حکمت کے ساتھ دُور کیا جائے کیوں کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ (البقرہ ۲:۱۹۰) اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آج ہمارے معاشرے میں ظلم و ناانصافی کی بے شمار شکلیں رائج ہیں۔ اگر معاشرے میں کسی طبقے کے ساتھ زیادتی کی جارہی ہو تو اس طبقے کی مدد کرنا اور اسے ظلم و زیادتی سے نجات دلانے کے لیے آئینی، قانونی مدد فراہم کرنا امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ سورۃ النساء میں مجبور اور کمزور عورتوں، بچوں اور افراد کے بارے میں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ سے فریاد کرتے ہیں کہ کون ان کو ظلم و استحصال سے نجات دلائے گا؟ یہ اجتماعی فریضہ امت مسلمہ کا ہے کہ وہ ہر مظلوم پر کیے گئے ظلم کے خلاف آواز اٹھائے اور مظلوم کی مدد کرے۔ کیا رمضان کے روزے ہمارے اندر اس رویے کو پیدا کرتے ہیں یا ہم نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بری الذمہ ہو جاتے ہیں؟

دین میں بنیادی ایمانی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی رویے ہیں۔ ایک کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا اور حق کی حمایت کرنا، اللہ کے بندوں کے حقوق کا پورا کرنا ہے۔ یہ وہ حق ہے جسے اللہ ربّ العزت جو سراپا عفو و درگزر اور مغفرت ہے، وہ بھی قیامت کے دن اُس وقت تک معاف نہیں فرمائے گا، جب تک وہ جس پر ظلم ہوتا دیکھ کر ہم خاموش رہے خود معاف نہ کر دے۔

اس عظیم امتحان سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ حقوق العباد کے معاملے میں غیر معمولی احتیاط اور دل کو ہر قسم کے تعصب، رنجش اور تکلیف سے پاک کر کے صرف اللہ کی رضا کے لیے مظلوم کی حمایت کی جائے اور اسے ظلم سے نجات دلائی جائے۔ تقویٰ کے مثبت پہلوؤں کے پیش نظر جن کاموں کو پورے اہتمام کے ساتھ رمضان میں کرنے کی ضرورت ہے، ان میں قرآن پر غور و تدبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ، توحید اور زندگی کے تمام معاملات میں توحیدی رویہ اختیار کرنا سب سے زیادہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

توحید کا تقاضا ہے کہ ہم صرف اللہ کو رب ماننے کے ساتھ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت پاک کو اپنے رویوں اور معاملات میں اختیار کرنے کی شعوری کوشش کریں اور اس دنیا کی زندگی کو انتہائی عارضی اور مختصر سمجھتے ہوئے اپنے تمام اعمال کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہم نے آخرت کے لیے کیا سامان کیا ہے؟ خصوصاً رمضان کے آخری عشرے میں تنہائی میں اپنا احتساب کرنے کے ساتھ آئندہ کے لیے اپنے طرزِ عمل کو بہتر بنانے کا عہد اور عزم کیا جائے۔ اس مبارک مہینے میں کسی ایک ایسے رشتے دار کو جس سے رابطے میں کمی آگئی ہو، خصوصاً تحفے کے ذریعے، ملاقات کے ذریعے اور (درحقیقت) اللہ کے لیے اپنے قریب لایا جائے۔

رمضان میں جو لوگ مانگنے کے لیے آئیں، انھیں دھتکارا نہ جائے بلکہ جس حد تک ممکن ہو ان کی مدد کر دی جائے۔ اپنے گھر والوں پر کھلے دل کے ساتھ خرچ کیا جائے۔ جو لوگ ملک میں یا ملک سے باہر قیدی بنا لیے گئے ہوں، ان کی رہائی کے لیے ان کی مالی مدد کی جائے، یا کم از کم ان کے لیے دعا کی جائے۔ الخدمت فاؤنڈیشن جن یتیموں اور بیواؤں اور مستحقین کی امداد کر رہی ہے، اس کام میں تعاون کیا جائے، کیوں کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کشادہ ہاتھ سے دوسروں کی مدد فرماتے تھے جیسے خیر و برکت کی بارش ہو رہی ہو۔

تقویٰ کا حصول

روزے فرض کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔تقویٰ کے اصل معنی حذر اور خوف کے ہیں۔اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد خدا سے ڈرنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا ہے۔اس لفظ کی بہترین تفسیر حضرت ابن ابی کعبؓ نے بیان کی۔حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا: ''تقویٰ کسے کہتے ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''امیر المومنینؓ! آپ کو کبھی کسی ایسے رستے سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں اور راستہ تنگ ہو؟'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''بارہا''۔انھوں نے پوچھا: ''تو ایسے موقع پر آپ کیا کرتے ہیں؟'' حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''میں دامن سمیٹ لیتا ہوں اور بچتا ہوا چلتا ہوں کہ دامن کانٹوں میں نہ اُلجھ جائے''۔حضرت ابیؓ نے کہا: ''بس اسی کا نام تقویٰ ہے''۔

زندگی کا یہ راستہ جس پر انسان سفر کر رہا ہے، دونوں طرف افراط و تفریط، خواہشات اور میلاناتِ نفس، وساوس اور ترغیبات (Tempations)، گمراہیوں اور نافرمانیوں کی خاردار جھاڑیوں سے گِھرا ہوا ہے۔اس راستے پر کانٹوں سے اپنا دامن بچاتے ہوئے چلنا اور اطاعتِ حق کی راہ سے ہٹ کر بداندیشی و بدکرداری کی جھاڑیوں میں نہ اُلجھنا، یہی تقویٰ ہے،اور یہی تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے فرض کیے ہیں۔یہ ایک مقوّی دوا ہے جس کے اندر خداترسی و راست روی کو قوت بخشنے کی خاصیّت ہے۔مگر فی الواقع اس سے یہ قوت حاصل کرنا انسان کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔اگر آدمی روزے کے مقصد کو سمجھے، اور جو قوت روزہ دیتا ہے اس کو لینے کے لیے تیار ہو،اور روزہ کی مدد سے اپنے اندر خوفِ خدا اور اطاعتِ امر کی صفت کو نشوونما دینے کی کوشش کرے،تو یہ چیز اس میں اتنا تقویٰ پیدا کرسکتی ہے کہ صرف رمضان ہی میں نہیں بلکہ اس کے بعد بھی سال کے باقی گیارہ مہینوں میں وہ زندگی کی سیدھی شاہراہ پر دونوں طرف کی خاردار جھاڑیوں سے دامن بچائے ہوئے چل سکتا ہے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر)

(عطیۂ اشتہار: صوفی بابا)

اُمید کی کرن

اس تاریکی میں ہمارے لیے اُمید کی ایک ہی شعاع ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہماری پوری آبادی بگڑ کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ اس میں کم از کم چار پانچ فی صد لوگ ایسے ضرور موجود ہیں جو اس عام بداخلاقی سے بچے ہوئے ہیں۔ اصلاح کی راہ میں یہ پہلا قدم ہے کہ اس صالح عنصر کو چھانٹ کر منظم کیا جائے۔ ہماری بدقسمتی کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں بدی تو منظم ہے اور پوری باقاعدگی کے ساتھ اپنا کام کر رہی ہے۔ لیکن نیکی منظم نہیں ہے، نیک لوگ موجود ضرور ہیں مگر منتشر ہیں ......

آپ اس سے نہ گھبرائیں کہ یہ صالح عنصر اس وقت بظاہر بہت ہی مایوس کُن اقلیت میں ہے۔ یہی تھوڑے سے لوگ اگر منظم ہو جائیں، اگر ان کا اپنا ذاتی اور اجتماعی رویّہ خالص راستی، انصاف، حق پسندی اور خلوص و دیانت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو، اور اگر وہ مسائل زندگی کا بہتر حل اور دُنیا کے معاملات کو درست طریقے پر چلانے کے لیے ایک اچھا پروگرام بھی رکھتے ہوں، تو یقین جانیئے کہ اس منظم نیکی کے مقابلے میں منظم بدی، اپنے لشکروں کی کثرت اور اپنے گندے ہتھیاروں کی تیزی کے باوجود شکست کھا کر رہے گی۔ انسانی فطرت شر پسند نہیں ہے۔ اسے دھوکا ضرور دیا جا سکتا ہے، اور ایک بڑی حد تک مسخ بھی کیا جا سکتا ہے، مگر اس کے اندر بھلائی کی قدر کا جو مادہ خالق نے ودیعت کر دیا ہے، اسے بالکل معدوم نہیں کیا جا سکتا......

اگر خیر کے علَم بردار سرے سے میدان میں آئیں ہی نہیں اور ان کی طرف سے عوام الناس کو بھلائی کی راہ پر چلانے کی کوشش ہی نہ ہو تو لامحالہ میدان علَم بردارانِ شر ہی کے ہاتھ رہے گا اور وہ عام انسانوں کو اپنی راہ پر کھینچ لے جائیں گے۔ لیکن اگر خیر کے علَم بردار بھی میدان میں موجود ہوں اور وہ اصلاح کی کوشش کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں، تو عوام الناس پر علَم بردارانِ شر کا اثر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ان دونوں کا مقابلہ آخر کار اخلاق کے میدان میں ہوگا، اور اس میدان میں نیک انسانوں کو بُرے انسان کبھی شکست نہیں دے سکتے...... دُنیا اس قدر بے حس نہیں ہے کہ اچھے اخلاق کی مٹھاس اور بُرے اخلاق کی تلخی کو چکھ لینے کے بعد آخر کار اس کا فیصلہ یہی ہو کہ مٹھاس سے تلخی زیادہ بہتر ہے۔

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(خیر خواہ) (اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات)